تنزیل و تاویل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از

جناب مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔

حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ حق تعالیٰ نے اس عالم کی ہدایت کے لئے ایک سو چار کتابیں مختلف انبیاء و رسل علیہم الصلاۃ والسلام پر اُتاریں اور تمام علوم اور حکمتوں کو اُن میں ودیعت رکھا اور پھر اُن سب کا خلاصہ توریت و انجیل و زبور و قرآن حکیم میں درج فرمایا۔ اور پھر ان سب علوم کو قرآن کریم میں بھر دیا اور پھر قرآن کے تمام علوم کو مفصل میں اور علوم مفصل کو فاتحۃ الکتاب میں ودیعت فرمایا۔ اور فاتحۃ الکتاب کے علوم کو اپنی حکمت بالغہ سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں بھر دیا۔

کہتی ہے یہ زبان سے قرآں کی خاموشی — لاریب ذات پاک کی سچی کتاب ہوں
مجھ میں بھرے جہاں کے علوم و فنون ہیں — قرآن میرا نام ہے ام الکتاب ہوں

بعض علمائے سلف کے نزدیک بسم اللہ الخ سورۂ فاتحہ اور ہر سورۃ کا جزء ہے اور امام اعظم ابو حنیفۃ النعمان۔ اور امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک سوائے سورۂ نمل کے کسی سورۃ کا جزو نہیں۔ دو سورتوں میں فصل کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ہے تبرکاً ہر سورت کی ابتدا میں اس کو لکھا جاتا ہے۔ سنن ابی داؤد میں باسناد صحیح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

اِن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سورتوں میں فصل
کان لا یعرف فصل السورۃ حتی تنزل	نہ جانتے تھے۔ یہاں تک کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نازل ہوی ۔

اور اسی وجہ سے بسم اللہ الخ کو نماز میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ جہراً نہیں پڑھا جاتا تاکہ جزء فاتحہ ہونیکا واہمہ نہ ہو ۔ اور اسی لئے بسم اللہ الخ کو کسی سورت کیساتھ ملاکر نہیں لکھتے بلکہ ہمیشہ سورۃ سے علیحدہ لکھتے ہیں بسم اللہ الخ چونکہ بالاتفاق سورۂ نمل کا جزء ہے اس لئے اس کو مثل دیگر آیات کے ملاکر لکھا جاتا ہے ۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور خلفاء راشدین کی مستمر سنت یہ تھی کہ بسم اللہ کو نماز میں آہستہ پڑھتے تھے ۔ (ابن کثیر ۔ ترمذی ۔ زاد المعاد)

امام ابو بکر رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے احکام القرآن میں اس مسئلہ کی خوب تفصیل فرمائی ہے اور امام اعظم نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک کا خوب مدلل اور مبرہن ہونا ثابت کیا ہے ۔ حضرات اہل علم اس کی مراجعت فرمائیں ۔

بسم اللہ کے شروع میں جو با ہے بعض علماء کے نزدیک وہ مصاحبت اور الصاق کے لئے ہے ۔ اور بعض علماء کے نزدیک استعانت کے لئے ، اور یہی راجح معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس صورت میں ابتداہی سے اپنی عبودیت اور عجز و استکانت کا اظہار اور پہلے ہی وہلہ میں اپنی حول اور قوۃ سے تبریہ کا اعلان ہوجاتا ہے یعنی اسی کی اعانت اور توفیق سے ہم شروع کرتے ہیں حاشا اپنی حول اور قوۃ سے نہیں ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ۔ اور بارگاہ الوہیت کا ادب بھی اسی کا مقتضی ہے کہ وہاں عبودیت اور تذلل ہی کا اظہار ہو ۔ ادعاء مصاحبت نہو ۔ تعالیٰ جد ربنا ما اتخذ صاحبۃ

اور یہی معنی ایاک نستعین کے زیادہ مناسب ہیں ۔ اور یہی معنی لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے مرادف ہونیکی وجہ سے کَنْزٌ مِنْ کُنُوْزِ الْجَنَّۃِ (یعنی جنۃ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ) کہلانے کے مستحق ہوسکتے ہیں اور بار بسم اللہ کا کسرہ بھی انکسار اور تذلل عبودیت ہی کی طرف مشیر ہے ۔

اللہ اس ذات واجب الوجود کا علم ہے جو تمام صفات کمال کی جامع ہے اور ہر قسم کے

عیب اور نقص کے شائبہ اور واہمہ سے بھی پاک اور منزہ ہے اور اسی وجہ سے لفظ جلالہ ہمیشہ موصوف ہی واقع ہوتا ہے اور اسمائے حسنیٰ کو بطور صفت اس اسم عظیم کے بعد ذکر کیا جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ ھو اللہ

اللّٰہُ الَّذِی لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ۔ ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۔ ھُوَ اللّٰہُ الَّذِی لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ھُوَ اللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَہُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔

اور یہ اسم عظیم۔ رب اعلیٰ ہی کیساتھ مخصوص ہے اس کا اطلاق ہمیشہ سے صرف اُسی وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ذات پاک کے لئے ہوا ہے۔ جس طرح کوئی اس کی ذات وصفات کا شریک وسہیم نہیں اسی طرح اس اسم عظیم میں بھی اس کا کوئی قسیم نہیں۔

غالباً اسی وجہ سے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے لفظ جلالہ کو اسم اعظم فرمایا ہے جیسا کہ امام طحاوی نے اپنی سند سے نقل کیا ہے۔

حدثنا محمّد بن الحسن عن ابی حنیفۃ قال اسم اللہ الاکبر ھو اللہ قال محمد الا تری ان الرحمن اشتق من الرحمۃ والرب من الربوبیۃ وذکر اشیاء نحو ھذا واللہ غیر مشتق من شیٔ اھ مشکل الآثار ص ۶۲ ج ۱

محمد بن حسن نے روایت کیا امام ابو حنیفہ سے کہ اسم اعظم لفظ اللہ ہے۔ کہا محمد بن حسن نے اس لئے کہ رحمٰن مشتق ہے رحمت سے اور رب ربوبیت سے اور اسی قسم کی مثالیں ذکر فرمائیں۔ اور لفظ اللہ کسی شئے سے مشتق نہیں۔

خود چہ شیرین است نام پاک تو ‏ ‏ ‏ خوشتر از آب حیات ادراک تو
نام تو چوں بر زبانم میرود ‏ ‏ ‏ ہر بن مو از عسل جوئے شود

اللہ اللہ این چہ شیرین است نام | شیر و شکر می شود جانم تمام
اللہ اللہ این چہ نام خوش مذاق | حرف حرفش مید ہد جان را بو ق
خو بلی مستی"
اسم اعظم ہست اللہ عظیم | جان جان و می عظیم ریم

(خاتمہ مثنوی از مفتی الٰہی بخش کاندھلوی قدس اللہ سرہ)

اسم اللہ کے بعد تمام اسمائے حسنیٰ میں اسم رحمٰن کا مرتبہ معلوم ہوتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ۔

قُل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن — آپ کہدیجئے کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو۔

نیز اسی وجہ سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب یہ دو نام ہیں۔ عبداللہ اور عبدالرحمٰن۔ عبداللہ میں عبد، اسم اعظم کی طرف مضاف ہے اور عبدالرحمٰن میں اسم رحمٰن کی طرف مضاف ہے جس کا مرتبہ اسم اعظم کے بعد ہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کو پہلے ذکر فرمایا اور عبدالرحمٰن کو بعد میں۔

رحمٰن اور رحیم دونوں رحمت سے مشتق ہیں۔ اور ان دونوں صفتوں کا اطلاق حق جل و علا پر ایسا ہی حقیقی ہے جیسا کہ علیم و قدیر اور سمیع و بصیر کا اطلاق اس پر حقیقی ہے۔ اور جس طرح اس کی حیات ہماری حیات کی طرح نہیں اور اس کا سننا اور دیکھنا اور کلام کرنا ہمارے سننے اور دیکھنے اور کلام کرنے کے مشابہ نہیں اسی طرح اس کی رحمت بھی ہماری رحمت کے مماثل نہیں۔

لیس کمثلہٖ شیئ وھو السمیع البصیر — کوئی شی اس کے مثل نہیں وہ خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے
وہ اپنے سننے اور دیکھنے میں اور ادراک اور علم میں جوارح کا محتاج نہیں۔

واللہ الغنیُّ وانتم الفقراء — اللہ ہی ہر طرح سے بے نیاز ہے اور تم اس کے محتاج ہو۔

اسی طرح وہ اپنی صفات رحمت میں بھی نہ رقت قلب کا محتاج ہے اور نہ انفعال نفس کا جیسے اس کی ذات بے چون و بیگون ہے اسی طرح اس کی صفت علم و قدرت اور صفت رافت و رحمت

وغیرہ بھی بے چون وچگون ہے۔

اس کی بے چون وچگون رحمت حقیقیہ علمار کی مجاز وتاویل اور استعارہ وتمثیل کی ذرہ برابر محتاج نہیں۔

ای بروں از وہم وقال وقیل من خاک بر فرق من وتمثیل من

صفات باری تعالیٰ میں صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا یہی مسلک تھا۔ اور وہ حضرات اس لیں کشلہ شئی کے اسماء حسنیٰ میں تاویل کو بدعت سمجھتے تھے۔

امام ابوالحسن اشعری نے اخیر عمر میں متکلمین کے طریق تاویل وتمثیل کو چھوڑ کر مذہب سلف ہی کی طرف رجوع فرمایا جیسا کہ امام موصوف نے اپنی آخری تصنیف کتاب الابانہ میں اس کی تصریح کی ہے۔

انشاء اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کی تفصیل الرحمن علی العرش استوی کی تفسیر کے وقت ہدیہ ناظرین کریں گے۔ واللہ الموفق وھو المستعان۔

ابتدا کے لئے ان تین ناموں یعنی اللہ اور رحمن۔ اور رحیم کو اس لئے خاص فرمایا کہ انسان پر تین حالتیں گذرتی ہیں۔ اول اس کا عدم سے نکلکر وجود میں آنا۔

دوم اس کا باقی رہنا اور جس قدر خلاق علیم نے اس کے لئے مدت بقا مقدر فرمائی ہے اس کو پورا کرنا جس کو عرف میں حیات دنیا اور زندگی کہتے ہیں۔

سوم اس نشاۃ دنیا کے ختم ہونے کے بعد حیات دنیویہ پر ثمرات کا مرتب ہونا عمل نیک پر جزا اور عمل بد پر سزا پانا۔

پس ابتداء میں تین نام ذکر فرمائے تاکہ تینوں عالموں کی جانب اشارہ ہوجائے لفظ اللہ میں پہلی حالت کی جانب اشارہ ہے اس لئے کہ تخلیق وتکوین بارگاہ الوہیۃ سے متعلق ہے۔ اور لفظ رحمن سے دوسری حالت کی طرف اشارہ ہے۔ اس لئے کہ دنیا دار ابتلاء اور دار امتحان ہے جہاں

ٹھیک راستہ پر چلا اس کے لئے آخرت کی تمام منزلیں آسان ہیں۔ شیطان اور نفس امارہ ہر وقت اس کی تاک میں ہے اس لئے بندہ ایسی حالت میں بے پایاں اور بے انتہا رحمت کا محتاج ہے۔

اور لفظ رحیم کو تیسری حالت یعنی نشاۃ آخرۃ کے یاد دلانے کے لئے ذکر فرمایا۔

دار دنیا چونکہ مومن و کافر سب کیلئے باعث رحمت ہے مومن کیلئے تو ظاہر ہے کافر کے حق میں دنیا اس لئے رحمت ہے کہ وہ اپنے کفر سے توبہ کر سکتا ہے اور اگر سو اختیار سے توبہ بھی نہ کرے تو فی الحال اس کا عذاب جہنم سے رہا رہنا ہی بہت بڑی رحمت ہے۔ نیز بعثت انبیاء، اور ارسال رسل اور انزال کتب ایک ایسی عظیم رحمت ہے کہ جو مومن اور کافر سب کے لئے ہے یہ امر آخر ہے کہ کوئی اس رحمت سے متمتع اور منتفع ہوا اور کوئی نہ ہوا۔ الحاصل دار دنیا مومن اور کافر سب کے لئے باعث رحمت ہے اور دار آخرت صرف مومن کے لئے باعث رحمت ہے اور کافروں کے لئے باعث عذاب و نقمت۔ کما قال تعالیٰ۔

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ فَذٰلِكَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ — پھر جب صور پھونکا جائیگا تو وہ دن بڑا سخت ہوگا کافروں پر آسان نہ ہوگا۔

اس لئے نشاۃ دنیا کے یاد دلانے کے لئے لفظ رحمٰن۔ کہ جس میں بہ نسبت رحیم کے زائد مبالغہ ہے ذکر فرمایا۔ اور نشاۃ آخرت کے یاد دلانے کے لئے رحیم کا لفظ استعمال فرمایا اس لئے کہ رحمٰن مبالغہ کا صیغہ ہونے کی وجہ سے عموم رحمت پر دلالت کرتا ہے۔ اور عموم رحمت کا محل صرف دار دنیا ہے جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا۔ اور دار آخرت خاص مومنوں کی رحمت کے لئے ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا۔ — اور وہ ایمانداروں پر رحمت والا ہے۔

نیز رحمٰن۔ فعلان کا وزن ہونے کی وجہ سے کچھ تجدد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے

لہ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں استوار علی العرش کو ہمیشہ صفۃ رحمٰن ہی کیساتھ ذکر فرمایا ہے۔ الرحمٰن علی العرش استویٰ ثم استویٰ علی العرش الرحمٰن۔ اس لئے کہ عرش تمام مخلوقات کو محیط ہے جیسا کہ اس کی رحمت مخلوق کو محیط اور واسع ہے کما قال تعالیٰ ورحمتی وسعت کل شیء پس الرحمٰن علی العرش استویٰ سے سب سے زیادہ وسیع مخلوق پر سب سے زیادہ وسیع صفت رحمت کے ساتھ استویٰ بیان کرنا مقصود ہے اور صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قضاء خلق کے بعد ایک کتاب میں لکھکر کہ ان رحمتی تغلب غضبی یقیناً میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے اپنے قریب عرش پر رکھا۔

اس لئے کہ کلام عرب میں۔ وزن فعلان۔ اکثر صفات عارضہ اور اوصاف متجدّدہ اور حادثہ کے لئے مستعمل ہوتا ہے جیسے عطشان وریان وغضبان وغیرہ۔ لہذا لفظ رحمٰن سے اس دار حدوث وتجدد اور دار فانی کیطرف اشارہ مناسب ہوا۔

رحیم صفۃ مشبہ کا صیغہ ہے۔ جو دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے فَعِیلٌ کا وزن کلام عرب میں معانی ثابتہ کے لئے مستعمل ہوتا ہے جیساکہ علیم وحکیم حلیم وجمیل۔ لہذا لفظ رحیم سے دار باقی اور عالم جاودانی کی طرف اشارہ مناسب ہوا۔

علامہ آلوسی کے کلام سے رحمٰن اور رحیم میں یہ فرق معلوم ہوتا ہے کہ رحمٰن سے عام رحمت مراد ہے خواہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ صورۃً او معنیً ظاہراً اور باطناً ہر طرح سے رحمت ہو یا فقط معنیً اور باطناً رحمت ہو اگرچہ صورت اور ظاہر کے لحاظ سے وہ عذاب ہو جیسے مریض کو تلخ دوا کا پلانا صورۃً ایلام اور تکلیف ہے مگر معنیً سراسر رحمت ہے پس رحمٰن سے ایسی ہی عام رحمت مراد ہے جو ان تمام انواع واقسام کو شامل ہو یہ دار فانی اسی قسم کی رحمت کا محل ہے کبھی اس کی رحمت راحت وانعام کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی مصائب وآلام کی صورت میں کما قال تعالیٰ عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اور رحیم سے وہ رحمت مراد ہے جو بلا واسطہ ہو اور ظاہراً اور باطناً ہر طرح سے رحمت ہی رحمت ہو۔ دار آخرت میں اسی قسم کی رحمت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلا واسطہ بھی ہوگی اور کسی قسم کا اس میں شائبہ رنج والم کا بھی نہ ہوگا۔

خلاصہ

یہ کہ لفظ اللہ میں جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ذات تمام صفات کمال کی جامع اور تمام نقائص وعیوب سے پاک اور منزہ ہے۔ تمام مباحث الٰہیات کیطرف اشارہ ہے۔

اور لفظ رحمٰن میں مباحث نبوت وشریعت کی طرف اشارہ ہے کہ جن کے بغیر خدا کی